حضرت مولانا مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے ملفوظات کا سلسلہ

نمبر اوّل

لکچر

"گناہ"

پر

جو حضرت مخدوم الملۃ مولینا مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے ۱۵ جون سنہ ۱۸۸۹ء

بمقام سیالکوٹ ایک مجمع عام میں دیا

حسب فرمائش انجمن احمدیہ پریس قادیان میں خاکسار یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع نے [illegible] دسمبر سنہ ۱۹۱۳ء میں شائع کیا

قیمت فی جلد ۴

تعداد جلد ۴۰۰

(فہرست مضامین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین

آج میں جس مضمون پر گفتگو کرنے کھڑا ہوا ہوں وہ مضمون گناہ ہے۔ کل اقوام دنیا میں گناہ کی نسبت مختلف خیالات پائے جاتے ہیں اور ہر ایک نے اس کی مختلف صورتوں کے بیان کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا ہے۔ مگر میں اس مضمون میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کروں گا کہ گناہ کس طرح اور کب سے شروع ہوا جیسا کہ اکثر اقوام نے اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے بلکہ میں اُن نتائج کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا جو عملاً انسانی افعال پر مترتب ہو رہے ہیں۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سوال کی کیا ضرورت ہے کہ گناہ کب سے اور کہاں سے شروع ہوا؟ ایک شخص کی آستین میں سانپ گھس گیا ہے تو کیا اب اُسے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ سانپ سفید ہے یا سیاہ ہے اور وہ کس طرح سے اُس کی آستین میں آپہونچا یا یہ کہ اس کے مارنے کی جلد فکر کرے۔ ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اُس شخص کی جان آخر الذکر کوشش سے ہی بچ سکتی ہے نہیں تو اول الذکر کوشش کی رو سے وہ اپنے منطقی دلائل کا شکار ہو چکا اور اس کی جان اپنے فلاسفرانہ خیالات کی نذر ہو چکی

مگر افسوس ہے کہ اُن لوگوں نے بھی جو گناہ پر سوچتے ہیں اس اول الذکر کوشش پر ہی عمل کیا ہے۔ اور وہ بھی اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ گناہ کہاں سے آیا؟ اس فلسفی کاوش کی وجہ سے اس مسئلہ کی صورت ایسی خطرناک بنگئی ہے کہ معصوم الفطرت انسان کو دقیانوسی الاصل مذاہب کے اختراع و ایجاد کی ضرورت پڑگئی اور تناسخ و کفارہ ایسے لاینحل معما کے اختیار کرنے پر آخر کار وہ کوشش منتہی ہوگئی۔ مگر میں اس پیاز کے چھلکے کی کی طرح تہ در تہ مضمون پر کچھ بھی غور کرنا نہیں چاہتا اور اسے لاحاصل سمجھ کر اسی جگہ ختم کرتا ہوں کہ گناہ کہیں سے آیا اور کسی وقت سے شروع ہوا ہاں اتنا ضرور بیان کروں گا کہ گناہ چیز کیا ہے اور یہی میرا اصل مقصود ہے۔

انبیاء علیہم السلام آخری نتائج بیان کرتے تھے

قاعدہ ہے کہ ایک امر کی پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے اُسے مختصر الفاظ میں دنیا کے آگے پیش کیا جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ دریا کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اکثر اوقات ان نتائج کی ضرب المثلیں بنجاتی ہیں اور دنیا انپر پورا اعتقاد رکھتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مشن سے یہ امر خارج تھا کہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق طول طویل لیکچر دیتے یا رسالے لکھتے اور نہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ اور انکی بعثت کی یہ بھی غرض نہ تھی کہ احکام کے علل و اسرار سے بحث کرتے اور ہر ایک امر و نہی کی نسبت دلاویز تقریریں کرتے۔ انکا روئے سخن مہذب غیر مہذب عالم جاہل شہری دہقانی سے ایک ہی وقت میں ایک ہی سے الفاظ میں بلکہ ایک ہی لہجہ میں ہوتا ہے اس لئے وہ الہام ربانی اور القاء رحمانی سے آخری نتائج کو قطعی اور حکمی طریق پر بیان فرمادیتے ہیں۔

نہ صرف انبیاء تک ہی یہ طریق محدود ہے بلکہ حکماء بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔ غرض جیسے حکماء نے اشیاء کے خواص کے تجربہ کے بعد نتیجہ کے طور پر کسی شے کو گرم اور کسی کو سرد قرار دیا ایسے ہی انبیاء نے بھی اعلام الہی سے کسی شے کو حلال اور کسی کو حرام کسی کو جائز کسی کو ناجائز کسی کو گناہ کسی کو ثواب کہا۔ پھر گناہ کیا ہے؟

عام سمجھ کے لوگوں کو تو شاید اتنا کہدینا کافی ہو گا کہ خدا کی نافرمانی کا نام گناہ ہے مگر فلاسفرانہ مزاج کے لوگوں کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوتی وہ پیشتر اس کے کہ خدا کی نافرمانی کو تسلیم کریں اس لفظ سے ضد اور چڑ ہیں اگر مسئلہ صفات الہی کی الجھن میں پھنسنے اور پھنسانے کی کوشش کریں گے یہانتک کہ رنگین اور دراز بحثوں کے بعد غالب امکان ہے کہ یہ مسئلہ غیر منفصل اور دھندلارہ جائے۔ زمانہ میں ایک عام مرض پھیلا ہوا ہے کہ اصطلاحی بحثوں سے بڑی دلچسپی ظاہر کی جاتی ہے اور لفظی الجھیڑے دل پسند مشغلہ خیال کئے گئے ہیں۔ ذہن اس طرف کم جاتے ہیں کہ امر متنازعہ فیہ طوعاً و کرہاً خود مباحثین کی عملی زندگی کا جزو ہو رہا ہے۔ لفظی اصطلاحوں سے کسی کو کوئی پرخاش ہو پر مشاہدہ میں آجانے والے نتائج و آثار تو آخر قائل ہی کر کے رہتے ہیں۔ میرا مدعا بھی حقیقت میں یہی ہے کہ نتائج سے بحث کی جائے۔ اچھا تو پھر گناہ کیا ہے؟

کل اقوام عالم میں گنہگار ہونے کا خیال مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر ایک زبان میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو نخوت و رعونت کا نازیبا لباس چھین کر انسان کی اصلی خاکساری واقعی تذلل کے اظہار کا وسیلہ بنتے ہیں۔ یہ خود پسند اکڑنے والی ہستی کیوں

ایسے گرے گرے الفاظ بولتی ہے؟ اس کے قلب کے اندر کس نے خلجان ڈال رکھا ہی کہ تجھ میں ضعف اور نقص ہے؟ ایک وقت انسان پورے زور اور واجب استحقاق سے تعلی کی لیکر مَیں اور ھم بولتا ہے ۔ مگر عنقریب نا اندیشیدہ انقلاب واقع ہو جاتا ہے جس کی تاثیر اس سے "یہ خاکسار" یا "یہ بندۂ ضعیف" "یہ ذرہ بمقدار" کہواتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کی بناوٹ کچھ ایسی موضوع ہوئی ہے کہ بلا قید و بلا قابو ہر قسم کے دل میں گذرنے والے جذبات و متمنیات اور ہر رنگ کے ممکن الصدور افعال کے اظہار و ارتکاب کا اُسے استحقاق حاصل نہیں ۔بعض جذبات و اعمال تو واجب الافتخار تخت طاؤس پر اسے متمکن کرتے ہیں اور بعضے کانٹوں کا تاج پہنا کر الٹا صلیب سے لٹکاتے ہیں کبھی ایک عمل کے کرنے سے اسے عزت شہرت کامیابی حاصل ہوتی ہے اور ایک دوسرے فعل سے ذلت بدنامی محرومی موںہہ دکھاتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ انسان مطلق العنان اور سراسر خود رو بناوٹ کا نہیں ہے ۔ اس کے اعمال و افعال ایک قید اور حد کے اندر محدود کئے گئے ہیں ۔ یا ایک کامل مکمل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لفظوں میں یوں کہو کہ "یہ حمیٰ (رکھ) کے آس پاس ریوڑ چرا رہا ہے ۔ اسے احتیاط لازم ہے کہ کہیں کوئی بھیڑ حمی (رکھ) میں نہ جا گھسے" نتیجہ یہ کہ اس کو اقتدار مطلق حاصل نہیں اور اس کے کلی اختیارات محدود ہیں ۔ کیوں؟ قانون سیاست ۔ تمدن و معاشرت یعنے قانون قدرت اس کی اجازت نہیں دیتا تو کیا قانون قدرت ایک قاہر ظالم حاکم ہے جو آزادی کا دشمن ہی اور اپنے بچوں کو دلی جذبات کے آزادانہ استعمال سے خواہ نخواہ روکتا ہے؟ ایسا

انسانی بناوٹ پر ایک نظر اور گناہ کی فلسفی

نہیں قانون قدرت اسی کے لئے ہے - اور یہہ اس کی برکات سے منتفع ہونے کے
لئے ہی تو پیدا ہوا ہے تو پھر اس کے حرکات کی جانچ پرتال کیوں نہ کی جائے - کہیں اسی
میں نقص تو نہ ہو جو نظام عالم کے بے عیب چہرے پر داغ اختلال لگانے کا موجب ہو؟
مختلف اقوام اور مختلف ممالک کے سوچنے والے مختلف زبانوں میں اس ایک بات
پر بلا تذبذب متفق ہیں کہ اعمال انسانی دو قسم کے ہیں ایک تو رسومات کے متعلق - دوم اخلاق
کے متعلق - اعمال یا مسائل رسوماتی اشیاء اضافیہ ہیں جو ہر زمانہ میں بدلتے چلے آئے ہیں
مگر اخلاقی مسائل قدیم سے مشترک اور مسلم اور بلا تبدیل ہم کو پہونچے ہیں - مگر اُن اخلاقی
مسائل کی عظیم الشان عمارت کے ڈھانے کی کبھی کوشش کی جاتی ہے؟ اُن حدود کو پھاند
جانے کے لئے کبھی ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں؟ ضرور تو پھر اُن پر کیا نتائج مترتب ہوتے
ہیں - جھوٹ - دغا - فریب - قتل - ڈکیتی وغیرہ صفات وادی کے اس رَو کے مانند ہیں
جس کا مخرج مدت سے ایک بھاری چٹان نے بند کر رکھا تھا - بند کے ٹوٹنے پر معاً
وہ رَو نشیبی آبادیوں کو بہا لے گئی - قدرت نے ملکات فاضلہ اور اخلاق حمیدہ میں ایک تو
خوبی ایسی رکھدی ہے جس نے انھیں قبول عام کا زیور پہنا دیا ہے - اسپر ان کی اضداد
یعنے ملکات ردّیہ کے چاروں طرف ہولناک طلسم کھڑے کر رکھے ہیں اور سلیم فطرت
کی آنکھ میں ان کی بری سے بری تصویر کھینچدی ہے - اسی لئے نہ کہ ان مہیب دیووں کو ذرا
آزادی ملی تو آدم کا کارخانہ زیر و زبر کر دیں گے - اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسان ان
افعال و اعمال کا کیسے مصدر اور مورد بنتا ہے اور کیونکر وہ جواب دہ قرار دیا جاسکتا ہے-

اعمال انسانی کی تقسیم ——— رسومات و اخلاق

انسان کی بناوٹ پر غور کرو تو اس کے بعض اعضا ذوجہین پاؤ گے - مثلاً آنکھ کان زبان ہاتھ پاؤں وغیرہ جہانتک شریعتیں دنیا میں پائی جاتی ہیں یا جس قدر اخلاقی اصول ہیں ان سب کا تعلق انہی کے ساتھ ہے - آنکھ میں یہ بھی قوت ہے کہ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرے اور یہ بھی قوت ہے کہ شہوت سے بھری ہوئی نظر کسی عورت پر ڈالے کان میں یہ بھی قوت ہے کہ خدا کی حمد و ستایش سنے اور یہ بھی کہ کسی کی چغلی یا اور بُری بری باتیں سنے - زبان میں یہ بھی قوت ہے کہ خدا کی حمد و ستایش ادا کرے اور یہ بھی کہ کسی کی بدی کرے یا کسی کو برا کہے اور برے خیالات کا اظہار کرے - علی ہذا القیاس ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی دوہری قوتیں رکھتے ہیں - غرض انسان کے ذو وجہین اعضا میں دو متضاد قوتیں رکھی گئی ہیں - انسان بدون کسی وقت کے اُن سے کام لے سکتا ہے - پس یہی اعضا ہیں جن کے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش و معاد کا تعلق ہمیں نظر آتا ہے -

اخلاقی اصول یا شریعت کا تعلق کن اعضا سے ہے؟

اب گناہ کیا ہے ؟

چونکہ اخلاقی شریعتوں کا تعلق انسان کے ذو وجہین اعضا کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی بناوٹ پر غور کی جائے - معلوم نہیں حکماء ان کی بناوٹ کس قسم کی بتائیں گے اور رگوں وغیرہ کا کیا کیا حساب لگائیں گے - مگر ہم اس بارے میں اس اصول پر عمل کرتے ہیں کہ ہر ایک کام اپنے نتیجہ سے پہچانا جاتا ہے اور ہمیں نتائج سے بحث ہے - پس ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ پاؤں نے شراب خانہ کی طرف جانے سے یا چکلہ کی طرف رخ کرنے سے باوجود اسی ایک رفتار کو استعمال کرنے کے جس کا وہ عادی

گناہ کی مزید حقیقت

ہے کس طرح اپنے احکم الحاکمین کو ناراض کیا؟ اور کیوں اس کی فطرت اُسے گنہ گار ثابت کر رہی ہے اس کا جواب یہی ہے کہ پاؤں کی رفتار کا نتیجہ انسان کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا حالانکہ وہی رفتار کسی کالج کی طرف جانے آنے میں استعمال کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاؤں کا صاحب ایم اے - بی اے پاس کرتا اور امتحان مقابلہ میں اول نمبر رہ کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنتا - جیسے پاؤں کی دو مختلف رفتاروں کے دو متضاد نتیجے مشاہدہ میں آئے ہیں ویسے ہی باقی اعضا کو بھی قیاس کرنا چاہیئے - وہی بد نتیجے مضر نتیجے - معاشرت اور تمدن کو بلکہ انسان کے جسم و روح کو تباہ و ہلاک کرنے والے نتیجے جن کے انسداد کے لئے اخلاقی وعظوں کی سرتاج جماعت فرقۂ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جن کے استیصال کو واجب الادب مقننوں کی قابل قدر کوششیں ابتدا سے مختلف رنگوں اور ہیئتوں میں اپنا کام کرتی چلی آئی ہیں - کوئی سی اصطلاح ان کے اظہار کے لئے وضع کرو - کسی لفظ میں ان بد اثروں کا نام لو وہی تو گناہ ہے -

مختلف اقوام کے نجات کے طریق

ہر ایک انسان خواہ وہ کیسی ہی حالت میں کیوں نہ ہو یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ گنہگار ہے اور ایسا ہی ہر ایک قوم نے سمجھا - مگر اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے لوگوں نے گناہ سے نجات پانے کے کیا وسائل سوچے اور اختیار کئے -

فطرت کو اس شعور نے کہ میں ناقص ہوں گنہگار ہوں بیقرار تو کر ہی رکھا تھا - اسپر ہر قوم نے نجات کی کیسی کیسی نادر راہیں تجویز کی ہیں - قدیم اہل یونان نے حصول نجات کے

لئے کیسے مصائب اٹھانے گوارا کئے۔ انسانوں کی قربانیاں چڑھائی گئیں۔ مادی اشیاء کی پرستش زندگی کا جزو اعظم قرار دی گئی۔ غرض جس چیز سے کوئی سی ضرورت انسان کی زندگی کے متعلق ثابت ہوگئی وہی مرجع بیم و امید قرار پا گئی۔

یونانیوں کا طریق نجات

عقلمند آریہ ورتہ نے یونان اور دیگر اقوام دنیا سے چند قدم آگے ہی بڑھائے۔ کہیں گنگا میں ڈوب مرنا شرط نجات ٹھہرا۔ جگن ناتھ جی کے بت کے رتھ کے پہیوں کے نیچے کچل جانا سادہ اعتقاد پوجاری کے نزدیک ذریعہ حصول بہشت یقین کیا جاتا۔ اور کہیں خونخوار آرہ کی زد میں چر جانا ابدی نجات پانے کا وسیلہ سمجھا جاتا۔ وغیرہ وغیرہ

آریہ ورت کا طریق نجات

میری غرض اس اظہار سے صرف یہ ہے کہ انسان نے اضطراب اور گھبراہٹ کی حالت میں گناہ سے نجات پانے کے لئے بے اختیار ہاتھ پاؤں مارے۔ رفتہ رفتہ الہیات میں ترقی ہوگئی تو دو فریق پیدا ہوگئے۔ ایک تو وہ جن کا یہ خیال ہے کہ میں بھی خدا تو بھی خدا اور وہ بھی خدا جسے دوسرے الفاظ میں ہمہ اوست کہتے ہیں۔ اس مشرب کے نشو و نما کی ابتدائی وجہ صرف یہ قیاس میں آسکتی ہے کہ اپنی حالت کا شعور اور اپنے افعال پر بصیرت تو انسان کو ہے ہی۔ ترک شہوات۔ ترک معاصی الٰہی گران معلوم ہوا تو ایک ایسے مسئلہ کی بنا ڈالی جو گھڑی بھر کے لئے اسے تسکین دے سکے چنانچہ ہمہ اوست کا خیال محض اس گھبراہٹ اور اضطراب کا نتیجہ ہے۔

ہمہ اوست کی پیدائش

مگر دوسرا فریق اس خیال کا پیدا ہوا کہ ہمہ ازوست" یعنے یہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ خدا ہے بلکہ خدا الگ ہے اور ہم الگ ہیں۔ خواہ وہ ان نتیجوں پر کسی طرح پہونچگئے

ہمہ ازوست

مگر ہمیں یہہ دیکھنا ہے کہ انھوں نے نجات کی کونسی سبیل نکالی یا یوں کہو کہ گناہ کی نسبت اپنے اضطراب اور گھبراہٹ کو کس طرح رفع کرنے کی کوشش کی۔

بدھ نے بعد اس اعتقاد کے کہ گناہ کی معافی ہرگز نہیں ہو سکتی ہر شخص کو پوری پوری سزا تحمل کرنا پڑے گی۔ بڑی عقلمندی سے نجات کی یہ تعریف کی کہ نجات اس سرچشمہ اصلی میں ملجانے کا نام ہے جیسے سورج کی کرنیں سورج سے نکلکر پھر اسی میں پیوست ہو جاتی ہیں! جیسے شمع کی روشنی پھر شمع میں ہی عود کر جاتی ہے یا جیسے قطرہ محیط میں ملکر برنگ بحر ہو جاتا ہے۔ یہ خیال عموماً زہرناک ہوا کی طرح تمام مذاہب عالم میں پھیلا۔ کوئی قوم اس عقیدہ کی ایجاد کا فخر رکھتی ہو اس سے ہمیں سروکار نہیں مگر یہ خیال شایع خوب ہوا۔ اس خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے مجاہدے ریاضتیں نفس کُشیاں تجویز ہوئیں۔ آلہ تناسل کاٹا گیا۔ نکاح چھوڑا گیا۔ اطعمہ لذیذہ چھوڑ کر بناس پتی بسر معاش کو کافی سمجھی گئی۔ ہاتھ پاؤں بیکار کئے گئے۔ سُکھلائے گئے۔ بال بڑھائے گئے۔ غرض بڑی بڑی جانگداز اذیتیں بدن کو دی گئیں۔ اور یہ سب کچھ بامید وصال موہوم گوارا کیا گیا۔

یہاں یہ امر غور کے قابل ہے کہ کیوں بنی آدم نے اپنی جان پر یہ مصیبتیں نازل کیں اور اس طرح تکلیفیں بھگتنی گوارا کیں؟ یہہ حال ہم پر عقائد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے اور وہ یوں ہے کہ ان لوگوں نے اعلی ہستی کو سخت غضبناک قرار دیا یہاں تک کہ اُس کی نتھنوں سے آگ کے شرارہ نکلتے ہیں۔ بنی آدم پر گویا تلوار کھینچے ہوئے ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ کسی بشر کو اپنی تلوار کا مزہ چکھائے بغیر رکھے۔ یہ لابدی

سبب ہے کہ اپنے بندوں کو جیتے ہوئے پہاڑ میں جھونکے۔ یہی وجہ ہوئی کہ انسانوں کی قربانیاں
چڑھائی گئیں۔ اپنے ہاتھوں سے انسان نے اپنے گلے پر چھری پھیر لی۔ اپنے جسم کو
سانپ اور بچھوؤں کی نذر کیا۔ اور بعض تو ہمالہ کی برف میں گل گئے۔

فرقہ متصوفین نے تو ان عقائد کو بڑہ بڑہ کر مبارکباد کہا اور بنی آدم کی ترقی کی راہ
میں سخت خطرناک کلنٹے بوئے۔ خصوصاً ان ایرانی اور ہندی صوفیوں نے مادرانہ محبت
سے ان ناشدنی خیالات کو گود میں کھلایا۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ کافیاں انہی مہلک مضامین
سے بھری گئیں۔

یہ کیسی بے معنے اور لغو مثالیں ہیں کہ خدا میں یوں جذب ہو جائیں جیسے سورج کی
روشنی سورج میں۔ اور جیسے قطرہ محیط میں وغیرہ۔ معلوم نہیں انسان نے ان خیالات
سے تسلی کیسے حاصل کی۔ سورج غیر ذوالعقول موجودات سے ہے۔ نہ تو اسے حس ہے
کہ وہ روشنی کا منبع ہے اور نہ روشنی کو حس ہے کہ کہاں سے اس کی اصل ہے۔ ایسا ہی
قطرہ دریا وغیرہ وغیرہ۔ انسان پر اس کا قیاس صریح البطلان قیاس ہے۔ انسان مدرک
ذی العقل ہستی ہے۔ اُسے اپنی حرکات سکنات افعال اعمال کا پورا شعور اور بصیرت
ہے۔ اور یہ بیّن امتیاز سے کہہ سکتا ہے کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ کیوں
آیا ہوں۔ کہاں جاؤں گا۔ حقیقت میں یہی خود شناسی اس کے اشرف المخلوقات
ہونے کی دلیل ہے۔ یہ سوالات صرف خاصہ انسانی ہیں اور کسی حیوان کے اندر
خطور نہیں کر سکتے۔ آلام و نعما یعنے دکھ درد کا وجود اور حس اس کی اس ہیئت کذائی سے

انسانی شرف کی معقول وجہ

متعلق ہے۔ یہ قوائے ظاہری اور باطنی جو اس موجودہ ترکیب ہیں، ودیعت کئے گئے ہیں لذات روحانی وجسمانی کے حصول کے ذریعے ہیں۔ اب ان قوا سے ان قوا کے فعل وانفعال سے اگر انسان کو محروم فرض کر لیا جائے تو وہ کیا وجود ہوگا؟ ظاہر ہے کہ وہ جماد محض ہوگا۔

بیشک یہ الفاظ تو ظاہرا کانوں کو بہت خوش۔ لگتے ہیں کہ "وصال محبوب کی شربت سے سیراب ہوں۔ اس میں جذب ہو جائیں"۔ پر جو اس مفہوم ذہن میں تصور کرنے کے لئے سورج کی نظیر کو صحیح مقیاس ٹھہرائیں تو نتیجہ کیا؟ دوسرے وجود میں منجذب اور پیوست شدہ بے شعور و بے حس وحرکت وجود ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں واضح طور پر یوں کہدینا چاہیے کہ معدوم ہو جائے گا اور آلام ونعم کے احساس سے بکلی غافل ہوگا۔ کوئی کہے جنین کی حالت میں تو بڑے چین سے سوتا تھا۔ ایام شیرخوارگی میں تو بس مہد نعمت میں جھولا کرتا تھا۔ جیسا ہمارے شعرا نے باندھا ہے

عجب آسودگی ہمدوشش درخواب عدم بودم
یکایک بانگ صبحے شد بہستی آشنا گشتم

صوفی تو انہی خیالوں پر مرمٹے ہیں کہ خلایق جسمانی سے رستگاری حاصل کر کے آزاد مطلق ہو جائیں یعنے موت سے پہلے مر جائیں۔

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

قومی تنزل کے اسباب

دلچسپ تاویلات کرکے کوئی ان تاریک خیالات کو زمانہ کے مذاق پر بشیک لی آئے مگر جو کچھ انکی تہہ میں چھپا ہوا ہے اور جو ان خیالات پر چلنے والوں کی عملی زندگی نے دکھایا۔ اصلی معنے تو اُسے ہی "سمجھا چاہیے۔ تعلقات جسمانی سے نفرت بڑھتے بڑھتے اس دنیا کی سخت حقارت دل میں بیٹھ گئی۔ رفتہ رفتہ نتیجہ کیا ہوا کہ کاہلی بزدلی نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اقبال و دولت سلام کرکے رخصت ہو گئے۔ ادبار نے دائمی رفاقت کا وعدہ کرلیا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ غلامی کا طوق زیب گلو ہوگیا + وضربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ ذالک بانھم کانوا یکفرون بآیات اللہ۔

قومی تنزل بلکہ شرف انسانی کے درک اسفل میں گرنے کا بڑا سبب میں ان خیالات کو سمجھتا ہوں اور ایسا ہی ہوا ہے۔ مسلمانوں کے نہ رُکنے والی اور پر زور رو کی طرح بڑھنے والی رفتار ترقی کے زمانہ کو دیکھ لو ان مفسدہ پرداز خیالات کو سوسائٹی کا ایک ممبر بھی نہ جانتا تھا۔ سیدھے سادھے گرم کار دنیادار اور مخلص دیندار تھے۔ اللہ تعالےٰ نے جو قواء انھیں بخشے تھے ان سے کام لینا وہ فرض حقیقی جانتے تھے۔ انھوں نے خوب غور سے اس الہی آواز کو سنا تھا + ویتفکرون فی خلق السموٰات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک

+ اور پستی اور مفلسی کی مار اُن پر پڑی اور خدا کا غضب اُن پر امنڈ آیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالےٰ کے قوانین سے انھوں نے کام لینا چھوڑ دیا۔

+ اور وہ آسمان اور زمین کی بناوٹ پر غور کرکے پکار اٹھتے ہیں اے ہمارے رب تو نے ان چیزوں کو بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ تو ہم کو عذاب آتش سے بچا۔

فقنا عذاب النار - یعنے کہیں علم ہیئت پر غور کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہیں موجودات ارضی سے منتفع ہوتے ہیں - اور خوب سمجھتے ہیں کہ قادر مطلق حکیم نے یہ اشیاء بے فائدہ نہیں بنائیں ہمارے ہی فائدہ کے لئے تو یہ سب کچھہ رچایا ہے - اور عملی تجربوں نے ایسا یقین بھی دلا دیا - پھر شکر کے جوش میں بھر کر پکار اٹھتے ہیں حاشا جنابك اس سے کہ ہم ان مخلوقات کو بے مصرف کہیں تو ہی ہم کو آگ کے عذاب سے بچا یعنے ایسا نہ ہو کہ عطیات قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف ہم مائل نہوں اور ذلت وحرمان کی آگ میں پڑے جلا کریں -

کچھہ مدت بعد یونانی ایرانی زبانوں کی تصانیف ترجمہ کی راہ سے سادہ مزاج مسلمانوں میں در آئیں - تھوڑے دنوں میں کایا پلٹ گئی - اسی راہ سے تصوف بھی ناخواندہ مہمان آنکلا - مگر بڑی عزت سے قبول کیا گیا - اب دھڑا دھڑ دنیا ومافیہا کی حقارت میں نثر و نظم میں کتابیں اور رسالے تصنیف ہونے لگے جس سے سنو آہ سرد کھینچکر یہہ پڑہ رہا ہے

دنیا ہیچ است وکار دنیا ہمہ ہیچ
اے ہیچ ز بہر ہیچ بر ما ہیچ مپیچ

تو پھر کیا تہا چند ہی روز میں ساری خیر وبرکت عنقا ہوگئی - حاصل الامر مسلمانوں پر ہی کیا منحصر ہے جس قوم نے ان خیالات کو گرم جوشی سے اختیار کیا وہ اقبال وعظمت میں بالکل ٹھنڈی ہو گئی -

تو اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ان خیالات وعقائد کے خلاف فطرت ہونے

کا ہے کہ کبھی بھی انسان کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوئے ہیں۔

اب اس سے زیادہ عقل کی مدعی قوم کو دیکھو انھوں نے کونسی اطمینان کی راہ سوچی ہے۔ یونان میں یونان کے متصوفین میں تو کچھہ ایسے خیالات نادر نہ تھے بلکہ پہلے ہی سے دائر سائر تھے۔ ایک بڑے ہوشیار، واقف کار نے جو اصل میں یہودی تھا دور اندیشی سے یہہ سوچکر کہ سیاست ہمیشہ برعکس معتوب فرقہ کی زیادہ پرزور اشاعت کا موجب ہو جاتی ہے استیصال مذہب حقہ مسیح علیہ السلام کی یہ تدبیر نکالی کہ اول تو اہل یونان کے مسلّمہ مائی تھالوجی کے مذاق پر ایک مسکین ماباپ کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور اس بات کا اہل یونان کے دل نشین ہو جانا عجیب نہ تھا کیونکہ وہ ہر نامی گرامی آدمی کو جیسے سکندر ارسطو وغیرہ کو بخوشی خاطر اس معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ پھر شرائع سابقہ کی تخریب کی جو سوجھی تو مسئلہ کفارہ کی تلقین و تعلیم شروع کر دی۔ اور کیسے پُر پیچ پہلودار خطوط کا سلسلہ جاری کیا۔ باانصاف سوچنے والے جنھوں نے گریک مائی تھالوجی کو پڑھا وہ ذرا بھی حیران نہیں ہو سکتے کہ کیوں بڑی رغبت سے لوگوں نے اس عقیدہ کو گوارا کر لیا حقیقت یہ ہے کہ یہ تو انہی کے خیالات کا نعم البدل تھا۔ اس سادہ مومن کو جو حضرت حسین علیہ السلام

یہودیوں کی مخالفت کے لئے ایجاد اور الوہیت مسیح کی پیدائش

عیسائیوں میں ایک فرقہ ایبیونائٹس نامی تھا جو نہایت بے تعداد تھا۔ اور اس کے اصول یہ ہیں۔ (۱) یسوع بیشک موعود مسیحا داؤد کا بیٹا اعلیٰ شرع دینے والا ہے مگر وہ موسیٰ اور داؤد کی طرح صرف انسان ہے جو یوسف اور مریم سے فطرتی طور پر پیدا ہوا۔ (۲) ختنہ اور کل دستور العمل موسوی کی نگہداشت تمام انسانوں کو نجات کے لئے ضروری ہے (۳) پولوس دشمن دین اور کافر ہے اور اس کے تمام خطوط خارج کئے جانے کے قابل ہیں۔ یہہ فرقہ اسے ایک پیدائشی بت پرست خیال کرتا تھا جو آخری زندگی میں عیسائی مذہب میں ناپاک مقاصد سے آیا۔

کے دردناک واقعہ کو امت کے گناہوں کا کفارہ یقین کرتا ہے حضرت مسیح کے کفارہ پر
جو حضرت حسین سے کہیں بڑھکر تھے اعتقاد کرنا کیا مشکل ہے۔ فرائض یعنے اعمال کا التزام
جو اکثر کاہل غافل طبیعتوں کو ناگوار گذرتا ہے بے سود اور غیر ضروری ٹھہرادیا۔ بس اب
قبول کرنے میں روک ہی کا ہے کی تہی۔

یہ سب فرضی باتیں ہیں اور دل میں ایک جمائے ہوئے اور اعتقاد کئے ہوئے
خیال کی تائیدیں ہیں کہ گناہ کی سزا تھی موت سو خدا نے اپنے اوپر وارد کرلی۔ آدم کیا تہا
کس شکل وقامت کا تھا۔ کس قسم کے اعضائے ظاہری باطنی اس کو عطا ہوئے تے۔ کس
طرح اس کی تربیت اور اس کے قوا کو بالیدگی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ رحمٰن رحیم نے انسان
کو حیرت میں ڈالنے کے لئے تو پیدا نہیں کیا۔ چیستان بازی اس سے کرنا اس کا ارادہ نہیں
ہے۔ اس کا کلام اس کا کام واضح ہے۔ کلام میں جو مسائل از قسم الہیات بیان ہوئے
ہیں صفات باری تعالےٰ کے متعلق جو کچھ کلام میں مذکور ہوا ہے آخر انسان ہی کو تو ان صفات
کا مظہر یا یوں کہو کہ تختۂ مشق بنایا گیا ہے۔ لامحالہ انسان کی فطرت میں یعنے انفس میں اور
خارج یعنے آفاق میں اس کی تشبیہ ونظیر بھی تو ہونی چاہیے تو کیا آدم اول عجیب و غریب
قدوقامت فوق العادہ دل ودماغ کی بناوٹ کا تھا۔ اور کیا یہ دریا کی جھاگ کی ایسی
اڑتی ہوئی روایتیں جو سادہ دل پارسا جماعت میں زبان زد ہیں کچھ بھی معقولیت کا رنگ
رکھتی ہیں۔ ہم تو آدم کی۔ اس کی پیدایش کی۔ اس کی تدریجی نشو ونما کی۔ اس کے حقیقۃً
اپنے ساتھ کچھ نہ لانے کی۔ اور رفتہ رفتہ خارج ہی سے علوم وفنون کا رنگ حاصل

کرنے کے نظائر روزمرہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کا جنت عدن میں ہونا۔ اپنے بالادست رحیم مربیوں کے کنار عاطفت میں تربیت پانا اور پھر آخر شجر بلوغ کا پردہ برانداز ثمر کھا کر اپنے عجز و قصور اور آیندہ آنے والے زحمات سے مضطر ہو کر اس کی برہنگی کا اسپر ظاہر ہو جانا۔ کون ہے جس نے یہ نظارہ نہیں دیکھا یا کم سے کم کون ہے جس کے سر پر یہ نہیں گذرا۔ یہی آدم ہے یہی اس کی لائف ہے۔ ہر روز ایک آدم پیدا ہوتا ہے۔ تغیرات اور انقلابات کے زیر سایہ پھلتا پھولتا ہے۔ اور آخر کار دور ختم کر کے مرکز اصلی کی طرف واپس بلا لیا جاتا ہے۔ یہی قوائے ظاہری و باطنی جو اب انسان میں پائے جاتے ہیں بلا تبدل و تغیر باپ آدم میں ہے۔ کیا یہ انسانی نیچر خدا کی اپنے دست خاص کی کاریگری نہیں ہے۔ کیا اسے اس کی بے مثال مورت کی عکسی تصویر نہیں کہا گیا۔ کیا خدا کی سچی مرضی کے موافق اس کا وجود میں آنا تسلیم نہیں کیا گیا۔ پھر اس کے کیا معنے ہیں؟

خدا کا دوسرا بے عیب بے نقص فعل نیچر (کائنات) سامنے موجود ہے اسپر نظر ڈالو۔ قوائے انسانی میں اور اُن میں کیسی مضبوط مناسبت معلوم ہوتی ہے جس قدر تقاضے انسان میں پائے جاتے ہیں ان سب کے سیر کرنے کا سامان نیچر نے فراہم کر نہیں رکھا؟ یا یوں کہو کہ جس قدر عجائبات قدرت میں ہیں کیا ان کے استعمال اور ان سے نفع پذیر ہونے کے آلات انسان کو نہیں دیئے گئے۔ جب یہ حال ہے تو صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ انسان اسی حالت کذائی سے اسی ظاہری و باطنی ترکیب سے خالق

حکیم کی طرف سے مخلوق ہونا ارادہ کیا گیا ہے اعضائے ظاہری سے اس کے کوئی سا عضو مفقود و معدوم فرض کرلو اُسی قدر حصہ علم کی کمی اس میں پائی جائے گی۔ اسی مقدار مستلذات قدرتی سے ہمدوش حرمان مان لیا جائے گا۔ اس سے بآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ باطنی اعضا میں سے بھی کسی ایک کا نہ ہونا اس کے کمال کے دامن پر نقص کا ظاہری دھبہ ہوگا تو اب گناہ کونسا خاص مرض ہے؟ کس خاص عضو سے اس کا تعلق ہے؟ اس کے لئے انسانی ترکیب میں کونسا خانہ تجویز کیا گیا ہے۔ دماغ ہے؟ دل ہے؟ سینہ ہے؟ واہمہ ہے؟ متخیلہ ہے؟ متفکرہ ہے؟ حافظہ ہے؟ آنکھ ہے؟ کان ہے؟ زبان ہے؟ شرمگاہ ہے؟ کوئی اور خاص عضو ہے؟ یا اسی ترکیب و نظام میں ہی کسی حالت کسی اثر اور کسی نتیجہ کا نام گناہ رکھا گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں اور کوئی خاص عضو اس کا مسکن مالوف ہے تو آؤ مخصوصاً اسی کی تخریب کے لئے مایوسانہ کوشش کریں۔ مگر نتیجہ کیا ہوگا! اور کیا یہ دور از کار قیاسات اور قطعاً محال مظنونات عملاً رنگ امکان پکڑ سکتے ہیں۔ مثلاً غضب ایک آتشین صفت ہے۔ تصویری زبان میں خونخوار دیو کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے استیصال کی کوشش کرو اس کو بالکل عالم سے معدوم فرض کرلو آنکھ بند کرکے انسان کی اب کی رفتار گفتار کردار پر نظر ڈالو تو خاموش سنسان بےحس و حرکت۔ سرد دل بے جوش تصویریں دکھائی دیں گی۔ دلیری حوصلہ پرُدلی اولوالعزمی دفعتاً عنقا ہو جائے گی۔ ایسا ہی باقی صفات ذمیمہ اندازہ کی جاسکتی ہیں تو ثابت ہوا کہ یہی اعضائے انسانی اور یہی قوائے داخلی اور خارجی کبھی کوئی رنگ پکڑتے ہیں تو قدرت کی عجیب دلاویز تصویر بجاتے ہیں۔ اور اس وقت صفات حمیدہ کے نام سے یاد کئے جاتے

ہیں۔ اور کبھی یہی اور صرف یہی قوا برنگ دیگر صفات ذمیمہ کی اشکال میں متشکل ہو جاتے
ہیں۔ اب تو بری گت بنی اور بڑا خسارہ پڑا۔ فطرت انسانی یقیناً بلاکمی بیشی یوں ہی ابتدا سے
چلی آئی ہے۔ قوا ناقص یا ایزاد نہیں کیے گئے اور نہ آیندہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ تو پھر
اس کی نجات کی کیا سبیل ہوئی۔ میں نہیں جانتا اس میں حیرانی کی کونسی بات ہے۔ اتنا
اضطراب کیوں ہے۔ جس قدرت نے ان کامل بے عیب قدرت نے اس کا سارا
نظام بنایا ہے۔ اس کی ترکیب کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس نے اسی نیچر میں اس کی نجات
کی راہ بھی نکال دی ہے۔ "تلافی مافات۔ جبر کسر۔ گر کر پھر سنبھل جانا۔ لغزش سے جھٹ
متنبہ ہو جانا۔ گذشتہ سے بڑھکر اور بہتر کر لینا یا ہو جانا" یہ کیسی اصطلاحیں ہیں جو روزمرہ
انسانی سوسائٹی میں برتی جاتی ہیں اور تہ دل سے مقبول و مسلم ہیں۔ یہی تو نجات ہے
اور ہے کیا؟ سیلویشن۔ موکش۔ لفظ تو موزون قرار دیئے گئے ہیں مگر ان الفاظ کے
بولنے والوں نے ان کا مفہوم کچھ ایسا مان رکھا ہے جو صراحتاً خلاف فطرت انسانی
ہے۔ کیا قول فیصل کے طور پر ان کی کوئی عملی نظیر دنیا میں دکھائی گئی ہے؟ راہ سوچی
گئی تو کیا۔ نجات کفارہ پر منحصر ہے۔ اس انوکھے مسئلہ کے بانی نے یہ نہ سمجھا کہ کفارہ خدا
کو ایک ضعیف المزاج کم حوصلہ ثابت کرتا ہے جو عدم قوت فیصلہ کے باعث مضطرب
ہو کر آخر خودکشی پر آمادہ ہو گیا اور باوجود علم وسیع اور اقتدار مطلق کے اور کوئی راہ قرار نہ دے
سکا۔ دنیا میں ہزاروں آدمی زمانہ کے بیداد و ستیز سے تنگ آ کر جان عزیز کو تلف کرنے
پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں خوبی کیا ہوئی۔ جوانمردی کیا ثابت ہوئی؟ اگر انہیں استقلال

ہوتا۔ صبر ہوتا۔ قوانین قدرت کا علم ہوتا۔ سبب و مسبب کے رشتہ سے کچھ آگاہی ہوتی
تو بقائے زندگی کی تدبیر کرتے جس سے استقبال میں استقلال کے ساتھ معلوم نہیں
کیا کیا بدائع صنائع ان سے ظہور میں آتیں۔ کلیلہ دمنہ میں حاسد کی داستان لکھی ہے جس
نے خواہ نخواہ انتقامی جوش میں بھر کر اپنے غلام کے ہاتھ سے محسود کے گھر کی چھت پر
اپنے تئیں ناحق حوالہ تیغ بے دریغ کیا۔ ایسا ہی کرسچن تھیوری یوں اس مائی تھالوجیکل
مسئلہ کی تصویر کھینچتی ہے کہ ڈیول یا سیٹن یعنے خالق الشر کے زبردست اقتدار سے
تنگ آکر خدا یعنے خالق الخیر نے خود اپنی جان دیدی اور یوں اپنے زعم میں اس بدبخت
حاسد کی طرح ٹھان لیا کہ بات پوری ہو گئی انتقام حاصل کر لیا۔ مگر افسوس اور سخت افسوس
کی بات ہے کہ وہ مہلک دشمن تو ویسا ہی میدان میں خم ٹھونک رہا ہے۔ پھر تو کبھی
نہیں سنا گیا کہ تیسرے دن جی اٹھنے کے بعد بھی کبھی رو در رو زور یا کشتی کی ٹھہری یا نہیں
مگر ہاں اتنا ضرور دیکھا جاتا ہے کہ گاڈ کرائسٹ کو اس خودکشی سے کچھ حاصل نہوا۔ وہ خونخوار
ببر تو برابر ویسا ہی اس کی بھیڑوں اور معصوم بھیڑوں کے پیچھے لگ رہا ہے وہی انسانی
بناوٹ ہے وہی قوا ہیں۔ وہی ان کے آثار ہیں جو قبل اور بعد کفارہ کے بلا تبدل یکساں
چلے آتے ہیں۔ قولی۔ عملی۔ ارادی اعمال و افعال میں انسان کے کسی نوع کا کوئی تغیر محسوس
و مرئی نہیں ہوا۔ عملی طور پر دنیا کو اس مسئلہ کی ایجاد سے دکھایا کیا گیا؟ میں کبھی عیسائیان
یورپ کو خودکشی پر الزام دینا پسند نہیں کرتا۔ مسکین معذور ہیں خود خداوند خدا نے تو یہ
سپر نیچرل نمونہ دیا ہے۔ با ایمان مقتدی اسی کے نقش قدم پر تو چلتے ہیں۔ سنا جاتا ہے عقل

عیسائی کفارہ

کو فرقان عطا ہوئی ہے جس سے حق و باطل کے ظلمت آمیز اختلاف میں وہ روشن امتیاز پیدا کر لیتی ہے۔ معاش کے بارے میں تو قدم قدم پر اس کی رفاقت کو ضروری تسلیم کیا گیا ہے مگر افسوس نہ معلوم کیوں معاملہ معاد میں اسے ایسا بے مصرف اور لایعنی کہا گیا صاف دل مسیحی کو بڑی تسلی دی گئی ہے کہ یہ ایک٭٭ سربستہ راز ہے جسکی گرہ آخرت میں کھلیگی۔ اسکی ندرت پسند اور ہر عجوبہ چیز پر سوال کرنے والی قوت کو یہ سنا کر بیکار کر دیا گیا ہے کہ "عقل کو اسمیں دخل نہیں"۔ بیشک پارسا راسخ الاعتقاد فرقہ نے استحکام مذہب اور رونق اعتقاد

٭٭ مسیحی علماء اپنے ان دینی بھائیوں کی نسبت جنہوں نے مذہب کو سمجھنے میں کسی قدر عقل کو بھی دخل دیا طعن سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اس ضروری سوال "میں نجات کے لئے کیا کرونگا" "یا کس طرح انسان خدا کے ساتھ راستبازی میں پورا اتر سکتا ہے" "نہایت کافی جواب کفارہ" سے راضی نہ ہو کر عالمگیر مسیحی فلسفہ سے کسی کم چیز کی آرزو نہ کی جو تمام معمے کھول دے اور تمام سوالات متعلقہ زمین آسمان خدا انسان وقت اور ابد حل کر دے۔ انھوں نے زندگی کے درخت کی بجائے غلطی سے علم کا درخت پسند کیا۔ اور اس کے چکنے اور پھسلانے والے تنہ پر چڑھنے اور پھل توڑنے کی لاحاصل کوشش کی۔ جو پھل فانی ہاتھ کی پہونچ سے باہر ہے۔ وہ سوالات جن کے حل کرنے میں انھوں نے ہاتھ پاؤں مارے ایسے ہی ہاتھ جیسے کہ ہر ایک زمانہ کے خیالی دلوں کے پیش نظر ہیں۔ اور جو آجتک حل نہیں ہوئے اور وہ یہ ہیں۔ گناہ۔ کفارہ۔ روشنی اور تاریکی زندگی اور موت کی اصلیت۔ خدا اور انسان۔ مخلوق اور غیر مخلوق کا باہمی رشتہ۔ دنیا۔ انسان۔ اور کل موجودات کا انجام وغیرہ۔ پھر بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ اس قسم کے سوالات کی طرف جنکو بہت سی صدیوں کی محنت نے لاینحل ثابت کیا اور جنھیں بڑے بڑے دانا اور فاضل لوگ ایسے ہی چھوڑ دینے پر راضی ہوئے جبتک کہ علم مطلق خود اپنی مشیت سے پردہ اٹھا دے اس زمانہ کی خیالی اور وہمی روحیں بڑی اشتیاق سے اڑیں اور یہ ٹھان لیا کہ اسرار الٰہی کی کتاب ہاتھ میں لیں اور تمام عقدے کھولدیں۔ اس طرح واقعات کی دنیا سے زبردستی ہٹائی جا کر وہ خواب و خیال کی دنیا میں جا نکلے اور

کے لئے بات تو خوب سوچی کہ سرے سے عقل کا ہی کام تمام کر دیجئے۔ ساری رخنہ اندازیاں تو اسی سے وقوع میں آتی ہیں۔ پر اس نادان فریب خوردہ کبوتر نے بزور آنکھیں بند کر لینے سے فائدہ نہ اٹھایا۔ کبھی نہ رُکنے والے علوم وفنون کی بلی آئی اور آن کی آن میں جامۂ ہستی سے اسے ننگا کر گئی۔ زمانہ نے جہاں آنکھ کھولکر قدیم سادہ مزاج یونانیوں کی پردہ برانڈ ہا کی ہیں وہاں اس یونانی مائی تھالوجی کے بڑے بڑے اصول کفارہ کی بیہودگی اور ناسازگاری پر بھی یورپ میں کرسچینیٹی کے خلاف فوق العادہ پکار اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ بہر حال عقلمند آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس میں خوبی کونسی ہے کہ خدا عدل و رحم (بزعم نصاری ضدین) کی جمع سے تنگ آکر خودکشی کر گیا۔ کلام اس میں ہے کہ مخلوق کو کیا عملی نمونہ دیا۔

قلت تفکر انسان کو بے قرار کرتی ہے کہ یہ ضدین ہیں اور انہیں توفیق محال ہے حالانکہ قدرتی واقعات پر غور کرنے اور پھر نتائج نکالنے کا عادی روزمرہ کے واقعات زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے کہ سارا نظام عالم عدل اور میزان مستقیم پر چلتا ہے۔ تمام قوتیں تمام طاقتیں اپنی اپنی فطرت کے تقاضا کے موافق خالق حقیقی کی مشیت کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ درپردہ وہ ایک انجن اور خدا معلوم کتنی بڑی طاقت کا انجن گرم کار ہے کہ یہ بے شمار مختلف کارخانے شب و روز درست انتظام سے جاری ہیں سبحان اللہ کوئی مانے نہ مانے قرآن کریم اضطرارًا منواتا ہے کہ وہ خالق فطرۃ کا کلام ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ اس کائنات کی یعنے خدائے حکیم حمید کے بے عیب فعل کی بلا کم وکاست نقل صحیح ٹرو کاپی ہے۔ کس خوبی سے اس مضمون کو ادا کیا ہے :- (دیکھو دوسرا صفحہ)

قرآن کریم لاریب خدا کا کلام ہے

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ - وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ - وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

اس سے بھی بڑھکر وضاحت کے ساتھ ایک اور مقام میں فرمایا ہے والسماء رفعھا ووضع المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان - اور جو کو (یعنے بڑے بڑے قوائے طبعی یعنے سورج چاند ستارے وغیرہ) مرفوع کیا یعنے تمہاری قدرت کی رسائی سے بالاتر بنایا کہ ان سے منتفع ہو اور ان مفت کے مزدوروں کے تمہارے کام میں لگانے پر ہمارا شکریہ ادا کرو - اور میزان (زمین) کو پست ذلول اور تمہارے پاؤں کی چوکی بنایا تاکہ تم بھی اسیطرح میزان اعتدال سے تجاوز نہ کرو یعنے جس طرح ہر چیز قدرت کی ہر چیز اپنی اپنی بناوٹ پر ہماری منشاء کے مطابق کام کر رہی ہے اور یوں میزان عدل و مساوات بین القوا قائم ہے - تو بھی اے انسان اسی طرح اپنی فطرت پر اپنی بناوٹ کے موضوع لہ پر قائم ہو جا -

عادل اور رحیم خدا نے اس کارخانہ عالم کو ایسی ترتیب سے بنایا ہے کہ اگر ایک دفعہ انسان نے کسی سبب سے سمجھنے میں غلطی کی اور نقصان اٹھایا تو وہیں اپنی غلطی پر آگاہ

ترجمہ - اور ہماری قدرت کا نشان ان کے لئے رات ہے کہ ہم دن کو اس سے جدا کر لیتے ہیں تو دفعۃً وہ روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں اور سورج اپنے مستقر کیطرف جا رہا ہے (جیسا کہ تم سمجھتے ہو) یہ زبردست با علم کا اندازہ لگایا ہوا ہے اور چاند کے لئے گردشیں ٹھہرا رکھی ہیں چنانچہ پھر وہ بدری صورت سے ہلالی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے نہ تو سورج میں یہ سکت ہے کہ چاند کو دبوچ لیوے اور نہ رات کا مقدور ہے کہ دن کے آگے ایسی بڑھ جائے کہ اسے طلوع ہونے نہ دے - سب کے سب اپنے اپنے محور پر چکر لگا رہے ہیں -

ہو کر نفع کثیر حاصل کرنے والا ہو گیا۔ پس اسی طرح پر اور ٹھیک اسی طرح پر ہاں اسی عدل اور رحم پر یہ کارخانہ جاری ہے۔ زیادہ مثالوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ غلطی کے بعد اصلاح کی توفیق۔ ٹھوکر کے بعد سنبھل جانے کی استعداد کس نے دی؟ اُس عادل رحیم نے دی یہی رجوع اور سچا رجوع جو غلطی کے بعد اصلاح کی جانب انسان کو حاصل ہوتا ہے اور مافات پر ندامت اور آیندہ اس لغزش سے بچنے پر استقلال جو انسان کے دل پر پیدا ہوتا ہے پس اسی کا نام توتوبہ ہے اور اسی پر فضل کی شمولیت ہے کہ اس سے انسان اپنے عجز وقصور کا دلی معترف ہو کر سبب حقیقی (علۃ العلل) کی بارگاہ کی طرف کمال خشوع وخضوع سے رجوع لاتا ہے۔ یہی تو نجات کی سچی فلاسفی ہے جس کی عملی نظیر روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے۔ باقی سب خیالی اور وہمی اور ادھار کی باتیں ہیں۔ اس سچی فلاسفی کا نام الٰہی وصال الٰہی قرب ہے جو عارفین کی بڑی بھاری تسلی کا موجب ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور انسان میں بعد المشرقین نہیں واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ جب میرے بندے تجھسے میرے قرب وبعد کی بابت پوچھیں تو انھیں جواب دے کہ میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ اور ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ہم تو انسان کی رگ حیات سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اہل نظر اہل بصیرت انصاف سے سوچیں کہ اس الٰہی سچی فلاسفی کا ثبوت روزمرہ کے واقعات زندگی میں کیا نہیں ملتا؟ عسر کے بعد سامان یُسر کس نے بنائے؟ مرض کے لئے ادویہ کس نے پیدا کیں؟ ہر قسم کی شکست ریخت پر اسباب جبر ومرمت کس نے مہیا

گئے ؟ اللہ تعالےٰ ہی نے تو قانون قدرت کو اس اسلوب پر وضع کیا ہے کہ انسان کے استغاثہ کی مسَاسماعت ہو سکتی ہے. سبحان اللہ کیسی سچی تعلیم ہے ۔ کیسی فطرت انسانی کی مطابق ہے ۔ قانون قدرت اسی کا شاہد اسی کا موید ہے ۔ قرآن کریم نے خدا اور انسان کی رشتہ کو کس کس خوبی سے بتایا ہے اور بڑی بھاری بشارت دی ہے کہ وہ خونخوار مغلوب الغضب روٹھ کر نہ ماننے والی ہستی نہیں ہے ۔ وہ سننے والا ہے ۔ وہ قریب ہے ۔ وہ ہر وقت مرادوں کے برلانے پر آمادہ ہے اور برلا رہا ہے ۔ دوسرے مذاہب کی تعلیم میں اسی بات کی تو کسر تھی کہ صفات الٰہی کا مسئلہ سخت تاریکی میں پڑا ہوا تھا ۔ کسی کتاب نے کسی معلّم نے اسپر روشنی ڈالنے کا ذمہ نہ اٹھایا ۔

اسلام کی خصوصًا بڑی کارگذاری قرآن کریم کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت اور احمد محمد محمود صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصلی غرض یہی تھی کہ اس حل ناشدہ مسئلہ کو دنیا پر کھول دیا جائے ۔ سو بحمد اللہ ایسا ہی ہوا ۔ خدا کو خدا کی صفات کو ایسا بیان کیا ایسا ثابت کیا جیسا کہ انسانی فطرت کی حالت تقاضا کرتی تھی ۔ یہ نہیں کہ انسان سے کوئی قصور ہوا اور وہ ایسا روٹھ جائے کہ کبھی مانے نہیں ۔ انسان کے اندر غیبی تلاش کا ۔ مغیبات کی جستجو کا دوسرے لفظوں میں اس کے قریب حاصل کرنے کا تقاضا ہو ۔ اور وہ اس سے کوسوں بھاگتا پھرے ۔ انسان کے قلب میں نجات کی راحت کی پیاس ہو اور وہ انقلابات سے بچانے پر اس کے قادر نہ ہو ۔ یا بچانے کا روادار نہ ہو ۔ و علیٰ ہذا ۔

غرض انسان جس طرح پر مخلوق ہوا جس قسم کے صفات اور جذبات کا یہ مجموعہ ہے

پھر اس حالت کذائی پر جیسے اس کا سچا نیچر آرزو کر سکتا ہے۔ کہ مجھے بالادست ہستی ایسی درکار ہے اور میرا آقا میرا مالک ایسا ہونا چاہیئے اور آخر کار ایسا ہونا چاہیئے انسان کی اس آرزو کو صرف قرآن نے ہی پورا کیا ہے۔ برخلاف اس کے یہ پختہ اعتقاد کیا گیا ہے کہ خدا اور انسان میں اس قدر بعد فاصل ہے کہ وہ خدا کی ہی خاص اختیاری رضامندی (کفارہ) سے ہے۔ دور ہو سکتا ہے۔ دونہ انسان اعمال کے ذریعہ تو اسے اٹھا نہیں سکتا،، یاللعجب! عجیب پہیلی ہے۔ پہیلی کو تو پھر مناسبت نفسِ مقصود سے ہوتی ہے۔ اس نامعقول عقیدہ کو قدرت کے کسی پہلو سے کوئی بھی موافقت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ آدمؑ کی نافرمانی سے خدا بہت کشیدہ خاطر ہوا" بلکہ اس کے پیدا کرنے پر پشیمان ہوا،، آدم نے کوئی ایسا قصور کیا ہوگا! جو اتنے بڑے ناسزا نتیجہ کا باعث ہوا! ہمیں تو اس کی حس تک نہیں۔ ہمیں اس کے قرضہ ادا کرنے کی کوئی وصیت بھی نہیں پہنچی۔ بیشک ظاہر بین اور محض جسم ہی تک اپنی نگاہ کو محدود رکھنے والے مغالطہ کھا جاتے ہیں جب کہ دیکھتے ہیں ایک مریض الجسم آدمی اپنی خطرناک حالت سے اپنی اولاد کو بے نصیب نہیں چھوڑتا مگر یہ قیاس مع الفارق ہے۔ سوچنا تو یہ ہے کہ آیا یہ نیچر کا ناقابل خطا قانون ہے؟ کہ باپ کی ذکاوت۔ ذہانت۔ فطانت۔ فطری اتقا۔ زہد۔ حلم۔ شجاعت عزمی ملکات فاضلہ مع النطفہ مولود میں سرایت کر جاتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں اور قاعدہ کلیہ مشہودہ کے مطابق ایسا نہیں تو کیوں ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ آدم کی بدی اور ناپاکی اس کی کل اولاد کے رگ۔ و ریشہ میں جذام اور آتشک کی مانند سرایت کر گئی؟ آدم کب ہوا؟ کسی وقت ہوا ہو اس سے بحث نہیں مگر یہ تو مسلم ہے کہ ابتداء آفرینش سے ابتک

انسان نے حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں۔ اور یہ کہدینا ناجائز نہ ہوگا کہ قرن مابعد کے آدمی قرن ماقبل کے آدمیوں سے بوجوہات زائد ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔ توکیا یہ قوا بالقوہ انسان میں امانت رکھے ہوئے ہیں اور نطفہ کے ساتھ ہی باپ کا سارا علمی اخلاقی ترکہ مولود کے قبضہ میں دے دیا جاتا ہے؟ اور اس لئے ان طاقتوں کا ظہور لازمی امر ہے اور دیگر اسباب خارجیہ کو اس میں دخل نہیں۔ یہ ایسا امر ہے۔ کہ مشاہدہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آدم کو تو ان علوم و فنون کا جو بعد میں اس کی اولاد کو تدریجاً عطا ہوئے۔ خواب میں آنا بھی محالات سے تھا۔ ایک نامعلوم زمانہ سے ادہر دیکھتے چلے آؤ قدرت نے نقدی کر کے اس سے کچھ چھپایا نہیں۔ اور نہ اس کی کمائی پر کبھی ٹیکس لگانا تجویز کیا ہے۔ سنت اللہ دکھاتی ہے۔ کہ وہ رحمٰن رحیم انسان کو ترقی کرتے دیکھکر بہت راضی ہوتا ہے۔ اور ساعت بہ ساعت جدید خزانہ کھولکر اس کے آگے رکھتا ہے۔ خلاصہ یہہ کہ ترقی کا امر تدریجی ہونا بڑی قوی دلیل اس بات کی ہے۔ کہ اس اپنے ساتھ کچھ نہ لانے والی ہستی نے خارجی امداد سے یہ سب مدارج حاصل کئے ہیں۔

ایک اور سادہ دل قوم۔ مضر نتیجوں سے بےخبر قوم کہتی ہے۔ کہ انسان سب کچھ الست ہی سے اپنے ساتھ لایا ہے اور تقدیر نے ازل ہی سے قسمت کی پڑیا بناکر ایک ہی ڈوز (خوراک) میں سب کچھ اسے کھلا دیا۔ یہ خیالی اور تاریک بات ہے۔ کوئی مشہودی عملی نظیر اس کی نہیں۔ شریر المزاج انسان کو اپنی خباثت خدائے قدوس کے ذمہ لگانے کا ہتھکنڈا مل گیا ہے۔ مبارک جامع کتاب کہتی ہے۔ اناخلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعاً بصیراً۔ مطلب یہہ کہ ابتدا میں بےعلم لایعقل حیوان تھا۔ جب عالم

مشہود میں آیا تو قوت سمع وبصر کے ذریعہ سے یعنے اسباب خارجیہ سے انواع واقسام کے علوم وفنون اس کو عطا ہوئے۔ ہمیں مشاہدہ اسی بات کا مؤید نظر آتا ہے۔ یہ اتفاق کہ حال کے آثار اور نتائج گذشتہ جنم کے مقدمات کے مولود ہیں۔ خلق وخلائق کی نسبت افترا پردازی ہے یہی دوسرا نامعقول عقیدہ تناسخ ہے جو بد قسمت انسان کے لئے ابدی موت کی سزا کا اٹل فتوےٰ ہے۔ میں اس مسئلہ کی جو انسانی سوسائٹی کی تاریک حالتوں کا عملی نتیجہ ہے۔ یہاں تردید کرنے کی کوشش نہ کروں گا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے رسالہ سرمہ چشم آریہ میں اور میرے شفیق روحانی مربی دوست مولوی صاحب نور الدین صاحب نے رسالہ رد تناسخ ہ میں اس مسئلہ کی نسبت پوری داد تحقیق دی ہے شائقین ان دونوں رسالوں کو مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مگر میں اتنا پوچھنے سے رہ نہیں سکتا کہ اس سے معتقدین کے دل کو کیا راحت کیا سکون حاصل ہوا؟ اور ان کو گناہ سے بچنے کی کونسی عملی راہ مل گئی ہے؟ ان کی اخلاقی حالت پر اس اعتقاد نے کیا اثر ڈالا؟ مباحثہ اور چیز ہے۔ اور عملی نمونہ اور چیز۔ میں صفائی اور دلیری سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ عقاید (کفارہ اور تناسخ) دہریت کے شعبے ہیں۔ اور لاریب ان مسائل کے موجدوں نے بڑی چالاکی سے سادہ دلوں کو سلب صفات کاملہ آلہی کی طرف جو درپردہ پوری دہریت ہے مائل کیا ہے۔

اب موقع ہے کہ میں اجمالاً حاضرین کو بتاؤں کہ اسلام نے اس بارہ میں کیا کیا۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ غیر قوموں نے صفات آلہی کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اعمال

و عقاید کیا ہو سکتے ہیں! عابدوں کے نزدیک معبود کی قرار دادہ صفات کی بنا پر اس کے خوش کرنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ اب ان صفتوں کا جو غیر اسلامی مذاہب نے خدا کی طرف منسوب کی ہیں کوئی موصوف موجود مجسم مشاہدہ میں آنے والا یقین کر لیویں تو وہ کس ہیبت و وضع کا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ وہ ایک خونخوار بے رحم۔ بے بس ہولی جماد محض اور ایک خیالی وجود ہوگا وہ قوم جس نے عقیدہ تناسخ کی بنا ڈالی۔ اس نے بھی تو بت پرستوں کیسی قرار دادہ صفتوں کا موصوف خدا کو مانا کہ

"نجات ابدی دینی وہ کبھی پسند نہیں کرتا۔ اور جنم مرن کی زنجیر سے مظلوم انسان کو مخلصی دینے پر وہ کبھی خوش نہیں ہوتا"

نصاریٰ نے تو بس حد ہی کردی کہ اہل تجسیم و تشبیہ کے بھی کان کتر دیئے۔ حدوث امکان کی جسقدر صفات ہیں۔ بھوک۔ پیاس۔ دکھ۔ درد حتےٰ جنم مرن کو بھی خدا کی طرف نسبت کرتے ہوئے کچھ شرم نہ کی۔

ہادئ کامل رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے شروع ہی میں رحمن کی طرف لوگوں کو دعوت کیا۔ اور یوں بشر ہونے کا باستحقاق تاج فخر آپ کو ملا۔

قرآن کریم کی ابتدائی سورۃ (فاتحہ) میں صفات باریتعالےٰ کا یوں اشتہار دیا گیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین ط

ہر قسم کی حمد و ثنا کا حق اللہ (یعنے وہ معبود حقیقی صفات کاملہ کی جامع ذات جس نے آلہہ یعنے معبودان باطل کو غیر مستحق عبادت ٹھرا دیا ہے) کو حاصل ہے جس نے کل مخلوقات

کی ربوبیت و پرورش کا ذمہ لیا ہوا ہے۔

جس نے بلا درخواست کے۔ بغیر مزدوری اور عمل کے محض نفضل عظیم سے انسان کو خلعت وجود بخشا اور اس کے لئے اس کی مقتضائے فطرت کے موافق تمام اسباب کو مہیا کیا۔

الرحیم وہ اعمال نیک پر اپنے مخلص وفادار بندوں کو ان کی عبودیت و اخلاص کی وجہ سے مدارج عالیہ پر سرفراز فرمائے گا۔ اور ان کی کمیوں کو جو ضعف بشریت احسان عام سے پورا کر دے گا۔

مالک یوم الدین وہ جو بد کرداروں کو ان کی بدی پر اور نیکو کاروں کو ان کی نیکی پر جزائے خیر دے گا۔

یہی حقیقی اور واقعی بشارت (انجیل) ہے جس کی وعظ اسلام نے کی ہے۔ اور یہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اور ٹھیک ثابت ہوا۔ جو اللہ تعالے نے حضرت مسیح ؑ کی زبان سے قرآن میں نقل فرمایا۔ اذ قال عیسیٰ ابن مریم یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدیّ من التوریٰۃ ومبشراً برسولٍ یاتی من بعدی اسمہ احمد (عیسےٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف سے اپنے کتاب توریت کو تصدیق کرنے والا اور اپنے سے پیچھے آنے والے ایک رسول کی بشارت دینے والا جس کا نام احمد ؐ ہو گا۔

اسلام نے انسان کو کاسب افعال ٹھیرایا من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیہا

وما ربك بظلام للعبید (جو عمل صالح کرے گا اس کا فائدہ اسی ہی کو ملے گا اور جو بد عمل کرے گا۔ وہ اپنے ہی اوپر دکھ درد وارد کرے گا۔ اور تیرا رب تو اپنے بندوں پر ظلم کا روادار نہیں)
من عمل صالحًا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینه حیوٰةً طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ط (جو عمل صالح کرے گا۔ مرد ہو یا عورت ہم اس کو اعلیٰ درجہ کی زندگی عنایت کریں گے۔ اور ان کے اعلے درجہ کے کاموں کی جزا ان کو دیں گے۔
یہی انسان کا واقعی نتیجہ ہے اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آرہا ہے۔ صحیح اسباب پر تمسک کرنے والے۔ دی ہوئی طاقتوں کو بجا مصرف میں صرف کرنے والے کیسے کامیاب کیسے برخوردار ہو رہے ہیں۔ اور اس کے خلاف کاہل بدول کافر نعمت کیسے تباہی اور ذلت کے گڑھے میں گر رہے ہیں ؛
پادری صاحبان بڑے ناز سے دعوے کیا کرتے ہیں۔ کہ قرآن مسئلہ کفارہ سے خاموش ہے۔ خاموش نہیں ہے اس کو اخلاق انسانی کا قاتل عدو سمجھ کر بیخ کنی کرتا ہے
لیس للانسان الا ما سعی وان سعیه سوف یری۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ اور کہ انسان کے حصہ میں تو وہی ہے جو اس نے خود کمایا اور کہ اس کی کمائی پر نظر ڈالی جائے گی۔ یوں ہی اکارت نہ جاوے گی۔ وان تدع مثقلة الی حملھا لا یحمل منه شیئ ولو کان ذا قربیٰ ط اور اگر بوجھ کے تلے دبا ہوا اپنے بوجھ کے ہلکا کرنے کے لئے کسی کو پکارے گا۔ خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اس سے کوئی تخفیف نہ کریگا
اب کوئی شخص اس کلام کو خدا کے کام (قانون قدرت) سے مقابلہ کرکے دیکھے اسی

اس کی تصدیق نظر آئے گی۔ یا اس خیالی اور وہمی مسئلہ کفارہ کی؛ قرآن کریم نے آدم کے قصہ میں آدم کی کمزوری کو جو حکیم مطلق نے خاص حکمت سے اس میں رکھی ہے بیان کر کے پھر اصلی حقیقی کفارہ واقعی نجات مسئلہ توبہ کا ذکر کیا ہے فتلقی آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ باتیں سیکھیں پھر اس کی توبہ اس نے منظور کر لی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ منظور کرنے والا رحیم ہی تو ہے توبہ کیا ہے؛ غلطی پر متنبہ ہو کر اس سے صواب کی جانب رجوع کرنا اور پھر اصلاح کے لئے درست اسباب کو اختیار کرنا۔ قرآن کریم نے اس قصہ میں فطرت انسانی کے اعمال و آثار کی تصویر اور سچی تصویر کھینچی ہے۔ انسان سے قصور ہو جانا اور لغزشوں کا واقع ہونا اس لئے ہے کہ یہ اپنی عجز عبودیت اور عظمت الوہیت کو بھول نہ جائے خطا کے بعد جو سچا خشوع و خضوع دلی ندامت اس میں پیدا ہوتی ہے۔ تو اس سے حق تعالےٰ کی عظمت کا انکشاف جدید اس کو حاصل ہوتا ہے۔ بس یہی منشاء ربانی ہے۔ اور اس کی انابت اور رجوع کو قبول کرنا فضل رحمانی ہے۔

آدم سے غلطی ہوئی۔ پھر خداوند خدا نے اسے کلمات کیا سکھائے جس سے وہ معافی کا مستحق ٹھہر گیا۔ ان کلمات کو ان باتوں کو آدم کی اولاد میں انسان کی فطرت میں ڈھونڈو وہ ہیں کیا؛ یہی جو ہم ہر وقت آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ خود کرتے ہیں برتتے ہیں۔ کہ اسباب کے غلط اور بیجا استعمال سے جو ٹھوکر لگی۔ نقصان واقع ہوا۔ پھر آگاہ ہو کر۔ سچا رجوع کر کے صحیح اسباب کو استعمال کیا۔ تو جبر کسر ہو گیا۔ تلافی مافات

ہو گئی۔ اسی طرح پر نظام کائنات چلتا آیا ہے۔ اور یوں ہی چلا کرے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور اہل نظر حاضرین کو پھر یاد دلاتا ہوں۔ کہ وہ اپنے دلوں میں غور کریں۔ کہ قرآن نے صفات تواب الرحیم کے وعظ کر کے کیسی بشارت انسان کو دی ہے۔ اور کفارہ اور تناسخ کا جو خلاف فطرت انسانی ہیں۔ کیسا بطلان ظاہر کیا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الامام المبین النبی الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

حضرت مولینا مولوی عبدالکریم صاحب کے ملفوظات

حضرت مخدوم الملتہ مولینا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ احمدیہ کے ان مشاہیر صحابہ میں سے ہیں جو نہ صرف السابقون الاولون من المہاجرین کے گروہ میں داخل ہیں بلکہ انہوں نے سلسلہ کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں اور سلسلہ ہمیشہ ان کے وجود پر اس لحاظ سے فخر کریگا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عرفانی نشانوں میں سے ایک ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس وحی میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوئی ان کا نام مسلمانوں کا لیڈر رکھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی لوح مزار لکھی جس میں فرمایا۔

کے تواں کردن شمار خوبی عبدالکریم

اسی مخدوم الملتہ کے ملفوظات کو سلسلہ وار چھوٹے چھوٹے رسالوں میں شائع کرنے کا میں نے تہیہ کیا ہے تا اس نیازمندی اور محبت کے تعلقات کا اظہار کروں جو مولانا ممدوح سے مجھے انکی کمال شفقت اور توجہ کیوجہ سے پیدا ہوئے تھے اس سلسلہ میں مولانا ممدوح کے خطبات۔ مکتوبات۔ ان کی تقریریں اور لیکچر ہونگے۔ اور ان کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ العزیز **حیات صافی**۔ یعنے مولانا ممدوح کی سوانح عمری ہوگی۔ لیکچروں کے سلسلہ میں یہ پہلا لیکچر ہے۔ یہ رسالے صرف اسی قدر طبع ہونگے۔ چونکہ سکین کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی مجھے اس وقت تک ۴۰۰ سے زیادہ چھاپنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر چالیس احباب اس سلسلہ کے دس دس رسالوں کے مستقل خریدار ہو جائیں تو میں اس تعداد کو دوچند کر دونگا۔ یہ فرض شناس قوم کے اہل ال احباب اور مخدوم الملتہ کے مخلص دوستوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس سلسلہ کی سرپرستی کریں اس لیکچر گناہ کے بعد مخدوم الملتہ کا رسالہ القول الفصیح شایع ہوگا۔ قیمت فی رسالہ ۲ ر ہوگی۔ تمام درخواستیں اس پتہ پر ہوں ؛

خاکسار یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم و رسالہ احمدی خاتون قادیان ضلع گورداسپور

عرض حال

نام نیک رفتگان ضائع مکن ۔ تا بماند نام نیکت برقرار

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدؐ و علیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین

حضرت مخدوم الملۃ مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا نام سلسلہ عالیہ احمدیہ میں ایک خاص تاثیر اور قوت رکھتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی نے جو لوگ آنیوالی نسلوں کیلئے بطور نمونہ اور اسوہ کے پیدا کئے ہیں انمیں مخدوم الملۃ کا نام بہت بلند اور ممتاز جگہ پر نظر آتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی وحی نے اسے مسلمانوں کا لیڈر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مخدوم الملۃ کو قلم اور زبان دونوں پر یکساں حکومت عطا کی تھی۔ انکی تحریریں جیسے منکرین اور دشمنوں کے قلوب پر ہیبت اور لرزہ پیدا کر دیتی تھیں ویسے ہی آپکی تقریریں سامعین کو مسحور بنا دیتی تھیں مجھکو محض خدا کے فضل سے حضرت مخدوم الملۃ سے ایک للّٰہی محبت اور مناسبت تھی اور خود حضرت مرحوم مجھپر بیحد شفقت فرماتے تھے اسی محبت کی یاد تازہ رکھنے کیلئے اور آئندہ نسلوں کو آپکے کلام اور کام سے واقف اور آگاہ رکھنے کیلئے میں نے آپکے لیکچروں اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنیکا عزم کیا ہے! اس سلسلہ میں یہ آپکا پہلا لیکچر ہے جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونیکے بعد آپنے دیا ہے اسکے بعد متواتر آپکے مضامین اور تحریریں اس سلسلہ میں انشاء اللہ شائع ہوتی رہینگی۔ جو لوگ حضرت مخدوم الملۃ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں۔ انکو میں توجہ دلاتا ہوں کہ اس سلسلہ اشاعت میں میرے مددگار ہوں۔ اگر چالیس بزرگ اس سلسلہ کی دس دس جلدیں لینے والے بھی ہوں تو یہ سلسلہ آسانی کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے مخدوم الملۃ کے ملفوظات کی اشاعت کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے مجھکو زندگی اور توفیق دی تو اسی سلسلہ میں حیات صافی یعنی حضرت ممدوح کی حیات شائع کیجائیگی وباللہ التوفیق

الحکم آفس نواب منزل یکم دسمبر ۱۹۱۸ء خاکسار یعقوب علی تراب احمدی۔ ایڈیٹر الحکم قادیان